تم خیر امت ہو کیونکہ خیر الرسل ؐ کے متبع ہو، اپنے گھروں کو جنت نشان بنائیں اور گھروں میں داخل ہونے والی برائیوں پر نظر رکھیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ / مارچ ۱۹۹۳ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ (آل عمران: ۱۱۱)

رمضانِ مبارک کی سرگرمیاں ختم ہوئیں اور عید کی گہما گہمی بھی، اور آج شاید لوگ دنیا بھر میں عید منانے کے بعد کسل کا شکار ہو چکے ہوں۔ کیونکہ عید منانے کے بعد سستی اور غفلت کا بھی کچھ تھوڑا سا دور آیا کرتا ہے۔ کچھ لوگ شاید کھانے پینے میں بے احتیاطیاں کر جاتے ہیں، کچھ عید کی مصروفیتوں کی ذمہ داریوں سے تھک جاتے ہیں۔ اس لئے مجھے ڈر ہے کہ آج شاید خطبہ میں بھی ویسی حاضری نہیں ہوگی جیسی کہ بالعموم رمضان مبارک میں ہو رہی تھی اور جو منتظم رپورٹیں بھیجتے ہیں میں ان کی کیفیات کو جانتا ہوں۔ وہ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ ہم رپورٹ میں کیا بہانہ بنائیں گے کہ کیوں آج حاضری کم ہے حالانکہ کسی بہانے کی ضرورت نہیں۔ میں ان باتوں کو اچھا بھلا سمجھتا ہوں۔ حالات میں اونچ نیچ ہوتا رہتا ہے۔ مزاج میں کبھی جوش آ جاتا ہے۔ کبھی مزاج مدھم پڑ جاتے ہیں لیکن مستقلاً اس مزاج کو قائم رکھنا ضروری ہے کیونکہ اب میں ایک ایسے خطبات کے دور میں داخل ہونا چاہتا

ہوں جن کا تربیت کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ساری جماعت کی تربیت اس رنگ میں ہو جس رنگ میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات کے ساتھ آپ کے قدموں کے ساتھ منسوب ہونے اور چمٹ رہنے کے تقاضے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پہلو سے جو بلند توقعات جماعت سے رکھی ہیں ان کے متعلق جیسا کہ میں بعض اقتباسات آپ کے سامنے رکھوں گا، خود فرمایا کہ ابھی تو بیج بونے کے وقت ہیں، ابھی ان امور تک پہنچنے میں وقت لگیں گے۔ محنت درکار ہوگی اور جماعت کو جو مَیں دیکھنا چاہتا ہوں اس سلسلہ میں لمبی محنتیں درکار ہیں تو ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے مگر ان لمبی محنتوں کا پہلے سے زیادہ ولولے اور جوش کے ساتھ، عزم نو کے ساتھ ان کا آغاز کرنا چاہئے۔ آغاز تو اس وقت بھی ہو چکا تھا جب حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تھے بلکہ اس آغاز کا آغاز حضرت آدمؑ کے زمانے میں ہو چکا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازسرِ نو شروع کیا اسی لئے آپؑ کے متعلق آتا ہے ’’مسلماں را مسلماں باز کردند‘‘ کہ آپؑ کا آنا ایسا ہی ہوگا جیسے مسلمانوں کو دوبارہ مسلمان بنانا ہو۔ تو احمدیوں پر بھی بیچ میں غفلت کی کچھ حالتیں طاری ہوئیں اور کچھ پاکستان سے ہجرت کے نتیجہ میں ایک قسم کی سستی اور جمود کا احساس ہے جو خطوں سے محسوس ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے میں نے نئے ولولے، نئے عزم کے ساتھ اس محنت کے ازسرِ نو آغاز کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ خطبات میں شامل ہونے والوں کی حاضری کو برقرار رکھا جائے اور بڑھایا جائے۔

اس ضمن میں مَیں لجنہ اماء اللہ ربوہ کا خاص طور پر ممنون ہوں کہ انہوں نے بہت محنت کی ہے۔ نتیجۃً باقی جگہوں سے جو رپورٹیں آتی ہیں وہاں مردوں کی تعداد خواتین کی نسبت زیادہ ہے لیکن ربوہ میں گزشتہ رپورٹوں سے مسلسل پتا چل رہا ہے کہ خواتین زیادہ تعداد میں شامل ہو رہی ہیں اور اپنے مردوں کو پیچھے چھوڑ گئی ہیں۔ اس وقت پیچھے چھوڑ گئی ہیں لیکن آگے جا کر ساتھ لے کر چلنا ہے۔ یہ ایسا فخر نہیں ہے کہ جس فخر کو برقرار رکھا جائے۔ پیچھے چھوڑیں، پھر ہاتھ پکڑیں اور ساتھ لے کر آگے بڑھائیں اور ان کی غیرت کو کچوکے دیں اور کہیں کہ ہم عورتیں ہو کر جن پر جمعہ فرض بھی نہیں ہے جمعہ کا خطبہ سننے جا رہی ہیں جو جمعہ کے مقابل پر کوئی فرضیت نہیں رکھتا اور تم مرد ہو کر گھروں میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ گئے ہو۔ اگر یہ بات ہے تو پھر بچے تم سنبھالو ہم باہر کے کام کرتی ہیں تو اس طرح کی باتیں

کر کے ان کو ساتھ لیں اور ان کو آگے بڑھائیں کیونکہ بہر حال جو بوجھ مردوں نے اٹھانے ہیں وہ عورتوں کی طاقت سے بالا ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورتوں کے لئے فرائض کی ادائیگی میں نرمی رکھی ہوئی ہے۔

یہ آیتِ کریمہ جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اے امتِ محمدیہ تم بہترین امت ہو ان تمام امتوں میں سے سب سے اچھی، جو کبھی بھی پیدا نہیں کی گئی تھی لیکن أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم لوگوں کی خاطر پیدا کئے گئے ہو لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو اس مضمون پر میں پہلے بھی روشنی ڈال چکا ہوں۔ بہت ہی حیرت انگیز بیان ہے جو کسی دوسری جگہ آپ کو اس کی مثال نظر نہیں آئے گی۔ اتنا پاکیزہ اور اتنا عمدہ، اتنا وسیع مضامین کو سمیٹے ہوئے کلام چل رہا ہے۔ حقیقۃً کوزے میں دریا بند دکھائی دیتا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ تم بہترین امت ہو۔ محمد رسول اللہ ﷺ جو سب سے بلند پایہ، سب سے بلند تر، سب نبیوں میں افضل ہیں تو اُن کی طرف منسوب ہوتے ہو تم بہترین امت ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فرمایا کہ

ہم ہوئے خیر امم تجھ سے ہی اے خیر رسل

تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے (درثمین صفحہ :۱۷)

یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا اُس کی بنیاد بھی اسی آیت کریمہ میں ہے۔ وہ خَيْرَ أُمَّةٍ اپنی ذات میں مکمل جملہ ہے اور اتنا مکمل ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ کی تمام سیرت کا مضمون ہمارے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ اُدھر دیکھو تم کس کی طرف منسوب ہو رہے ہو؟ اُس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے تم نے خیر امت کا نام پایا ہے کیونکہ وہ خیر رسل ہے تو تم وہ ہو۔ اس لئے اپنے خیالات، اپنے اعتقادات، اپنے طرز گفتگو، اپنی بول چال، اپنے اٹھنے بیٹھنے، رہن سہن اور اخلاق پر نظر رکھنا کہ تم کون ہو اور کس کی طرف منسوب ہوتے ہو؟ یہ تو ویسے ہی ہے کہ کسی اچھے خاندان کے بچے سے غلطی ہو جائے تو کہتے ہیں کہ تم کس کے بیٹے ہو اس جملے میں غیرت کا بڑا کچوکہ ہے۔ جس شخص سے غلطی ہوئی ہے وہ یہ بات سن کر شرم سے کٹ مرتا ہے۔ امت محمدیہ کو خیر امت کہہ کر اگر بات یہیں پر بھی ختم کر دی جاتی تو مضمون مکمل تھا بلکہ ایسا مضمون تھا کہ

یہاں ٹھہر کر اُس مضمون میں ڈوب کر، ہر طرف اس کی فضا میں اڑتے ہوئے نئے افق اُس میں دیکھتے، نئے افق میں اپنے چہرے دیکھتے اور بہت وسیع عظیم مضمون ہے جو کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ مجھے علم نہیں کہ کبھی بھی کسی دوسرے نبی کے کلام میں یہ جملہ آیا ہو کہ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ۔ پھر آگے فرمایا أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اس میں خیر کا فلسفہ بیان فرما دیا اور باتوں کے علاوہ جو پہلے مضمون میں داخل ہیں۔ فرمایا اس لئے تم خیر امت ہو کہ بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ اُن کی خدمت کے لئے، اُن کی خاطر، اُن کے فوائد تم سے وابستہ ہیں۔ اُن کی بقا تم سے وابستہ ہے۔ یہ دراصل وہی مضمون ہے جو حضرت رسول اکرم ﷺ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور اسی حوالے سے آگے بڑھ رہا ہے کیونکہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:۱۰۸) کا مضمون ہے۔ جس کی یاددہانی امت کو کروائی جارہی ہے۔ ایک تو اپنی ذات اور اعلیٰ صفات میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ وہ کامل وجود ہیں اُن کی طرف منسوب ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس منسوب ہونے کے تقاضے ہیں۔ اس لئے تم میں خیر ہی خیر ہوگی، تو تم محمد رسول اللہ ﷺ کے کہلاؤ گے، جہاں خیر کی جگہ شرّ نے لے لی تمہارا امت سے تعلق کاٹا گیا۔ پھر فرمایا صرف اندرونی خیر کا سوال نہیں ہے۔ آپس میں محبت اور ایک دوسرے کے ساتھ اخلاقی تقاضے پورا کرنے کا سوال نہیں ہے۔ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ یہاں مومن اور غیر مومن، مسلم اور غیر مسلم کا فرق اٹھا دیا۔

لِلنَّاسِ والا مضمون وہی ہے جو حضرت رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے قرآن میں ملتا ہے۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف:۱۵۹) اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مانو یا نہ مانو۔ تمہاری بقا، تمہاری خیر، تمہاری بھلائیاں سب مجھ سے وابستہ کر دی گئی ہیں۔ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ میں تمام جہانوں کے لئے رحمت بنایا گیا۔ فرمایا تم اس لئے بہترین امت ہو کہ لوگوں کی بھلائی کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ کا یہ پہلو فراموش نہ کرنا ورنہ آپس میں اگر خیر بانٹتے رہو گے اور غیروں کو تمہارا خیر نہیں پہنچے گا کہ تم بہترین امت کہلانے کے لائق نہیں ٹھہرو گے۔

پھر اس مضمون کی حفاظت کا سامان مہیا فرمایا گیا۔ اتنا بڑا تقاضا ہے، اتنی بڑی تمنا ہے، اتنی بڑی امید ہے جو ہم سے رکھی گئی ہے۔ اس امید کا اتنا بڑا تقاضا ہے جو ہم نے پورا کرنا ہے۔ اُس کے

لئے ضرور کچھ معلوم ہونا چاہئے۔ کیسے ہم اتنی اہم ذمہ داری کا حق ادا کر سکیں گے اور کیسے ہم ان اعلیٰ اقدار کی حفاظت کر سکیں گے، اس مضمون کو یہ آیت کریمہ یوں حل فرماتی ہے۔ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ تمہاری خوبیوں کی بقا کا تقاضا یہ ہے کہ تم مسلسل ایک دوسرے کو بھلائی کی طرف بلاتے رہو اور بھلائی کی دعوت دیتے چلے جاؤ۔ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور بُرائیوں سے روکتے چلے جاؤ۔ یہ اس طرح بیان نہیں فرمایا یہ تم کرتے ہو۔ تم بھلائیوں کی طرف بلاتے ہو اور بدیوں سے روکنے والے ہو کیونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں شامل ہونے کا طبعی تقاضا ہے۔ اس لئے اسے ایک جاری فعل کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے۔ تم اگر رسول اللہ ﷺ کے غلام ہو تو تم یہ کرتے ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تم نہ کرتے ہو، نہیں کرتے تو غلام رہنا ہی نہیں باقی۔ یہ مضمون اس طرح بیان فرماتا ہے کہ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ہم جانتے ہیں محمد رسول اللہ کے غلام ہو تم ضرور خیر کی طرف بلاتے ہو گے۔ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور بُرائیوں سے روکتے ہو گے۔ ساری زندگی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی مامور ہونے کے بعد اسی بات میں کٹی ہے، مامور ہونے سے پہلے بھی آپؐ اسی طرح زندگی گزارتے ہوں گے مگر اس پر ہماری تفصیلی نظر نہیں ہے۔ مگر جہاں تک بھی کہیں کہیں اشارے ملتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت پہ فائز ہونے سے پہلے بھی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ لوگوں کو نیکیوں کی طرف بلایا کرتے تھے، بدیوں سے روکا کرتے تھے۔ پس سیرت محمد مصطفی ﷺ ہے جو مسلسل جاری ہے اور دراصل اسی کے حوالے سے یہ باتیں ہو رہی ہیں کہ تم ان کے ہو گئے ہو تو ٹھیک ہے بہترین امت بن گئے۔ بہترین رسول ﷺ کی طرف منسوب ہوئے۔ پھر ویسے بن کے دکھاؤ۔ لوگوں کے لئے وقف ہو جاؤ، لوگوں کی بھلائی کے لئے نکلو۔ دو باتیں پھر آگے خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے بقیہ حصہ میں بیان ہوئی ہیں جو میں آپ کے سامنے پڑھ رہا ہوں۔ اوّل یہ کہ اگر تم اپنی نیکیوں کی حفاظت کرنا چاہتے ہو تو لازم ہے کہ تم دوسروں کو نیکیوں کی نصیحت کرو۔ اگر تم بدیوں سے بچے رہنا چاہتے ہو تو لازم ہے کہ تم اپنے آپ کو بدیوں سے نہ صرف بچاؤ بلکہ لوگوں کو بچانے کی کوشش کرو۔ تب تم اس بات کا تقاضا پورا کر سکو گے۔

دوسرے یہ کہ ماحول کو درست کئے بغیر انسانی خوبیوں کی بقا کی کوئی ضمانت نہیں۔ اگر آپ اجنبی ماحول میں رہتے ہیں اور اس ماحول کو اپنے جیسا نہیں بناتے تو ایک وقت آتا ہے کہ ماحول آپ

کو اپنے جیسا بنالیتا ہے۔ بہت ہی گہرا مضمون ہے جس میں ایک گہرا نفسیاتی نکتہ بیان ہوا ہے۔قوموں کے عروج اور تنزل کی کہانیاں آپ پڑھ کر دیکھ لیں، معاشروں کے بننے اور بگڑنے کے حالات کا مطالعہ آپ کر لیں۔ وہ قومیں اور وہ معاشرے جو تاثیر رکھتے ہیں اور ارد گرد پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اس وقت تک زندہ رہتے ہیں جب تک یہ تاثیر زندہ ہے جب ان کا پھیلنا بند ہو جائے۔ اُن کی آواز ماحول کو اپنے جیسا بنانا بند کر دے، ان کا عمل لوگوں کو اپنی طرف کھینچنا بند کر دے تو پھر وہ غیروں کے ہونے شروع ہو جاتے ہیں، ان جیسے ہی ہو رہتے ہیں۔ پس یہ بحث کسی قوم سے تعلق نہیں رکھتی۔ یہ انسانی فطرت سے تعلق رکھتی ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی احمدی موجود ہیں امریکہ میں ہوں یا انگلستان میں۔ یورپ کے کسی ملک میں ہوں یا ایشیا کے براعظم میں یا افریقہ میں بستے ہوں یہ مضمون برابر سب پر اطلاق پاتا ہے اور اس میں ہماری بقا کا راز ہمیں سمجھا دیا گیا ہے۔ اگر ہم نے زندہ رہنا ہے، اگر ہم نے ان اعلیٰ قدروں کی حفاظت کرنی ہے جو ہمارا عنوان بنا دی گئی ہیں جن کا آغاز اس طرح ہوا کہ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تو پھر لازم ہے کہ ہم دو کام کریں یعنی دو پہلوؤں سے یہ کام کریں تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اس لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے اور بہترین ہونے میں یہ بات داخل ہے یعنی بہترین کی صفت کا یہ حصہ ہے کہ تم لوگوں کو بھی بہترین بنانے کی کوشش کرو اور دوسرے اس لئے کہ اگر نہیں کرو گے تو تم بہترین نہیں رہو گے۔تم مٹ جاؤ گے تمہاری ساری خوبیاں اس طرح کھائی جائیں گی جس طرح کھاری پانی لوہے یا دوسرے غیر ٹکڑوں کو رفتہ رفتہ کھا جاتا ہے اور ان کا کچھ بھی باقی نہیں چھوڑتا، جس طرح تیزاب دوسری چیزوں کو کھا جایا کرتے ہیں۔ اس طرح معاشرہ تمہیں کھا جائے گا۔

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اہل کتاب بہت اچھے لوگ ہیں لیکن کاش وہ سمجھتے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا کیسی عجیب بات ہے، کوئی نسبت ہی نہیں۔ کاش وہ سمجھتے کہ دنیا کا بہترین رسول آچکا ہے۔ وہ رسول آچکا ہے جس سے ساری دنیا کی تربیت وابستہ کر دی گئی ہے اگر یہ سمجھتے تو لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ اس رسول پر ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہت بہتر ہوتا۔

اس میں ایک انذار ہے اور وہ انذار یہ ہے کہ اہل کتاب ان قدروں سے محروم ہو جائیں

گے۔ اہل کتاب رفتہ رفتہ اس وجہ سے کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ نہیں جوڑا ان تمام خوبیوں سے محروم ہو جائیں گے جو آج آپؐ کی ذات بابرکات سے وابستہ کر دی گئی ہیں اور ہمیشہ کے لئے وابستہ کر دی گئی ہیں۔ اس سردار کو قبول کرو گے تو ان خوبیوں کے حامل بنو گے اس سردار سے تعلق توڑو گے۔ تو ساری خوبیوں سے تعلق توڑ لو گے اچانک کتنی حسرت کا اظہار ہے۔ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ یہ بات مزید اور کھول دی کہ ٹھیک ہے ان میں مومن بھی ہیں۔ اچھے لوگ ہیں لیکن اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ اکثر ان میں فاسق ہیں یعنی فاسق ہوتے چلے جائیں گے۔ یہ ان کا انجام ہے کیونکہ تعلق نہیں باندھا، محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق نہیں باندھا اس لئے ان کا فاسق بننا تو وقت کا ایک تقاضا ہے جو بہر حال پورا ہو کر رہے گا۔ یہ سورۂ آل عمران کی وہ آیت نمبر ۱۱۱ ہے جس پر بنا رکھتے ہوئے میں چند تربیتی خطبے انشاء اللہ دوں گا اور آج میں بعض متفرق باتیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے ایک غلطی کا ازالہ کرنا ہے۔ جمعۃ الوداع پر میں نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی جو روایت پیش کی تھی اس میں اگر چہ لکھا تو یہی ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ نصیحت فرمائی لیکن اس وقت جلدی میں جو نظر پڑی ہے تو وہ جمعۃ الوداع پڑھا گیا ہے اور اسی لحاظ سے میں نے یہ بات کی تھی کہ اس حوالے سے مَیں جمعۃ الوداع پر آج آپ کے سامنے یہ مضمون رکھتا ہوں۔ لیکن یہ غلطی اس موقع پر نہیں ہوئی۔ پہلے بھی جب اس حدیث پر نظر پڑی تھی تو جمعۃ الوداع پڑھا گیا تھا تو شاید اللہ کے ہاں یہ غلطی مقدر تھی کہ یہ غلطی ہو تو میں اس مضمون کو جمعۃ الوداع کے لئے چن لوں تو فائدہ تو پہنچ گیا مگر غلطی مٹنی چاہئے۔ پس لوگ درستی کر لیں میں نے جو یہ نصیحت بیان کی تھی کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے نماز اور عبادتوں کے متعلق یہ فرمایا تھا۔ یہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا۔ وہ بھی وداع کا ایک رنگ تھا اور عام جمعۃ الوداع سے بہت زیادہ شدت کے ساتھ تاثیر رکھنے والا کلام تھا کیونکہ حضور اکرم ﷺ اپنے غلاموں سے جدا ہونے والے تھے اس لئے وہ معنوں کے لحاظ سے اور بھی زیادہ پُرتاثیر کلام تھا۔ پس معنوی لحاظ سے تو کوئی غلطی نہیں ہوئی لیکن روایت کی درستی بہر حال ضروری ہے۔

دوسرے مجھے فیصل آباد سے توجہ دلائی گئی ہے کہ اسی نصیحت کے آخر پر حضور اکرم ﷺ نے

زکوۃ کا جو ذکر فرمایا اور آخر پر میں نے جلدی سے اس کا حوالہ دے کر کہا کہ زکوۃ میں صدقہ خیرات سارے مضامین داخل ہیں۔ اس لئے لوگ صدقہ خیرات کی طرف بھی توجہ کریں اور اس ضمن میں بوسنین کا بھی میں نے ذکر کیا اور دوسرے غرباء کا بھی تو فیصل آباد میں چونکہ تاجر مزاج لوگ زیادہ ہیں اور تاجروں میں بعض کمزوریاں بھی ہیں بعض خوبیاں بھی ہیں۔ خاص طور پر اس علاقہ کے تاجر چندہ مار جائیں گے مگر زکوۃ کم مارتے ہیں، خوف کھاتے ہیں، میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ محض اللہ چندہ دیتے ہیں لیکن بعض خوف سے بھی دیتے ہیں کہ ہمارے مال میں بے برکتی نہ پڑ جائے اور چندہ سے زیادہ زکوۃ کے معاملہ میں بعض علاقوں کے تاجر ڈرتے ہیں کہ زکوۃ اگر ہم نے رکھی تو پھر خدا ہمارے مال واپس لے لے گا اور زکوۃ دیتے وقت دل چاہتا ہے کہ کسی بہانے ہمارا تصرف قائم رہے۔ پس اپنے عزیز رشتہ داروں وغیرہ پر خرچ کرنے کے جو تقاضے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ زکوۃ تو ہم نے نکالنی ہی نکالنی ہے اس میں سے ہی کیوں نہ دے دیں، باقی مال میں سے جو خواہ مخواہ نکالیں تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ پس اچانک ان کو بہانہ مل گیا اور انہوں نے بغیر میرے کہے خطبہ میں سے خود بخود یہ اندازہ نکال لیا کہ اب ہمیں اجازت مل گئی ہے کہ ہم زکوۃ خود خرچ کریں اور اپنے عزیزوں اور اقرباء کو دے دیں۔ نائب امیر صاحب کا گھبرایا ہوا فیکس ملا کہ ہم کیا کریں اور وہ فوراً جواب چاہتے تھے لیکن میں نے فوراً جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا، ان کو خرچ کرنے دو۔ زکوۃ اسی طرح کھڑی رہے گی۔ غریبوں کا فائدہ تو ہو جائے، رمضان آرام سے گزر جائے۔ جتنا انہوں نے بانٹنا ہے بانٹ لیں۔ پھر میں ان کو بتاؤں گا کہ تمہاری زکوۃ کا ایک ایک پیسہ واجب الادا ہے۔ اسی طرح کھڑا ہے تو آج میں خطبہ کے ذریعہ ان کو یہ بات سمجھا رہا ہوں اور نائب امیر صاحب بھی گھبرائیں نہیں انشاء اللہ تعالیٰ اس تاخیر کا فائدہ ہی ہوگا۔

ایک چھوٹی سی بات یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ میں نے ایک خطبہ میں یہ کہا تھا کہ جماعت کو چاہئے کہ لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دو، بدیوں سے روکو اور اس سلسلہ میں دنیا کے سیاستدانوں کو اور بڑے بڑے راہنماؤں کو براہِ راست خط لکھو اور توجہ دلاؤ کہ تم غلط رستوں پر چل پڑے ہو۔ سمجھو، سنبھلو ورنہ تم اپنی قوموں کے ساتھ مٹا دیئے جاؤ گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ان پر اتنی سختی کی جائے کہ گویا ان کو گالیاں دی جا رہی ہیں۔ ہمارے سمجھنے والے بعض عجیب طرح بات سمجھتے ہیں۔ مجھے بعض دوستوں نے

خطوں کی کاپیاں بھیجی ہیں جو انہوں نے بعض سربراہوں کو لکھی ہیں اور وہ ایسی سخت زبان ہے کہ گویا وہی مقرر ہو گئے ہیں، مامور ہو گئے ہیں اللہ کی طرف سے کہ ہم تمہیں مٹانے کے لئے آ گئے ہیں۔ خبردار جو تم نے اب آگے سے یہ حرکت کی۔ نامناسب حرکت ہے۔ فرعون سے زیادہ متکبّر بادشاہ کون ہوسکتا ہے، فرعون سے زیادہ کون اس لائق تھا کہ اس کو تنبیہ کی جائے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصیحت فرمائی تھی کہ قــولِ لیّـن سے کام لینا، نرمی سے بات کرنا، اس کی یہ وجہ نہیں کہ خدا تعالیٰ فرعون سے ڈرتا تھا یا موسیٰ کو ڈراتا تھا۔ اس لئے کہ انسانی فطرت ہے کہ جتنا بڑا مقام ہو اتنا زیادہ محتاج ہے کہ اس سے نرم بات کی جائے ورنہ وہ بات کو شروع میں ہی رد کر دیتا ہے۔ فرعون کی بھلائی کی خاطر یہ حکم تھا کہ اگر تم یہ کہو گے کہ میں خدا کا نمائندہ آ گیا ہوں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں رہی۔ مانتے ہو تو مانو نہیں تو جاؤ جہنم میں تو وہ پھر جہنم میں ہی جائے گا۔ جہنم میں تو بیچارے نے ویسے ہی جانا تھا مگر اس کو موقع نہیں ملنا چاہئے۔ بات کی غلطی کے نتیجہ میں کوئی جہنم میں نہ جائے۔ جائے تو اپنے قصور سے جائے، تمہارے قصور سے نہ جائے۔ یہ مضمون ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سمجھایا گیا تھا کہ نرمی سے بات کرنا۔ کہیں بات کی وجہ سے ٹھوکر نہ کھا جائے، تم پر نہ الزام آ جائے کہ تم بھی اس کی ٹھوکر میں شامل ہو گئے ہو۔ پس احمدیوں کو چاہئے کہ حکمت سے کام لیں۔ قرآنی تعلیم کے تابع میری باتوں کو سمجھا کریں اس سے باہر نکل کر اُن کے ترجمے نہ کیا کریں کیونکہ پھر وہ ان کی اپنی مرضی کی بات ہوگی میری نصیحت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

اب متفرق امور جو اس عرصہ میں مجھے بعض دوستوں نے لکھے ہیں پہلے میں اُن سے نصیحت کے ان خطبوں کا آغاز کرتا ہوں۔ ایک خاتون نے لکھا ہے کہ ہمارے مردوں کے خلاف بھی چند باتیں کریں اور بعض باتیں ایسی لکھی ہیں جو یہاں پڑھ کر سنانی مناسب نہیں ہیں لیکن ہیں وہ واقعی قابلِ فکر باتیں۔ معاشرے کو اچھا بنانے کے لئے ضروری ہے کہ گھر سکینت کا مرکز ہوں۔ جہاں اپنا گھر سکینت کا مرکز نہ رہے، کسی اور کا گھر بن جائے اور باہر کی دنیا بن جائے۔ گلیاں بن جائیں، کلب بن جائیں، دوستوں کی مجلسیں بن جائیں وہاں معاشرے کا سارا نظام بگڑ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ گھر ٹوٹنے لگتے ہیں، آگے اولاد پر بہت برا اثر پڑتا ہے، بچے بداخلاق ہونے لگتے ہیں، اگلی نسلوں کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں رہتا۔ اس لئے سکینت کا مرکز گھر ہی رہنا چاہئے۔ عبید اللہ علیم صاحب کی

نظم کی طرح کہ اصل خزانہ تو گھر میں ہے۔ باقی سب تو تعلقات کے دائرے ہیں لیکن جو انسان گھر میں لوٹتا ہے اور گھر میں سکون پاتا ہے اس کی کوئی مثال باہر دکھائی نہیں دیتی۔ یہ نظم حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو بہت پسند تھی۔ جب کبھی کراچی تشریف لے جاتے تھے تو جن شعراء کو بلا کر ان کا کلام سنا کرتے تھے ان میں عبید اللہ علیم صاحب کو خاص مقام حاصل تھا اور برحق مقام دیا گیا تھا اور اس میں یہ نظم آپ کو بہت پسند تھی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے ہو سکتا ہے کہ میں غلطی کر رہا ہوں مگر مجھ پر یہی تاثر ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو یہ نظم بہت پسند تھی۔ کم سے کم جب میں نے سنی تو مجھے تو بہت ہی پسند آئی اور اگر ہمارے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب مختلف احمدی رسالوں میں کاپیاں بھجوا دیں تو سب میں چھپ جائے گی کیونکہ اس خطبہ سے اس کا گہرا تعلق ہے۔

سایہ وہی ہے جو خدا نے گھر میں بنا رکھا ہے اور اسی کو سکینت کی وجہ بتایا ہے۔ پس اپنے گھر میں سکینت ڈھونڈیں اور بیوی میں سکینت ڈھونڈیں۔ آپ کی بیوی آپ کے لئے سکینت کا سامان بنائی گئی ہے۔ اگر اس کو چھوڑ کر غیروں کی طرف نظر ڈالیں گے، غیر گھروں میں جائیں گے اور وہیں آرام پائیں گے اور دیر میں گھر لوٹیں گے اور گھر آ کر جس طرح اپنے کپڑے اتار کر پھینکتے ہیں اسی طرح اپنے بیوی بچوں کو اتار پھینکا ہو گا تو پھر ایسا گھر کوئی سکینت والا گھر نہیں ہے اور ایسے معاشرے کی حفاظت اور اس کے امن کا کوئی انتظام ممکن نہیں ہے۔ اس کی کوئی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ پس غیروں کو جو ہم نے نصیحت کرنی ہے اس سے پہلے اپنے آپ کو تو ضرور نصیحت کرنی چاہئے۔ اگر ہم نے غیروں کے سامنے اچھے گھروں کا ماحول پیش نہ کیا تو اس دنیا کا سب سے بڑا عذاب یہی تو ہے کہ گھر ٹوٹ رہے ہیں، بچوں اور ماں باپ کے رشتے منقطع ہو رہے ہیں بڑوں کے ادب اٹھ رہے ہیں اور رفتہ رفتہ ہر شخص فرد بنتا چلا جا رہا ہے۔ جمعیت کا نظام منتشر ہو رہا ہے۔

پس اگر گھر منتشر ہو جائیں اور ہر شخص میں اس حد تک انفرادیت آ جائے کہ ایک دوسرے سے تعلقات محض خود غرضانہ تعلقات رہیں۔ ایک دوسرے کو سکون پہنچانے کی تمنا نہ ہو بلکہ جو کچھ لینا ہے لو اور فارغ ہو جاؤ تو ایسا معاشرہ زندہ نہیں رہا کرتا اور آج کے انسانوں کو سب سے بڑی Threat، سب سے بڑا خطرہ ٹوٹتے ہوئے گھروں سے ہے۔ یورپ اور امریکہ نے تو اس کے ایسے خوفناک نظارے دیکھ لئے ہیں کہ وہاں اب یہ احساس مذہبی قدروں کے علاوہ بھی بڑے زور سے پیدا

ہو رہا ہے کہ ہم نے گھر بچائے تو بچیں گے۔ انگلستان کی جو سابق پرائم منسٹر تھیں، مسز تھیچر، انہوں نے تو آخری دور میں یہی نعرہ بنالیا تھا کہ ہمیں گھروں کو بچانا ہے اور واقعی یہ درست بات تھی۔ پس دنیا کے گھروں کو بچانے سے پہلے اپنے گھر تو بچاؤ ورنہ وہی گنجے والی بات ہوگی کہ بال اگانے کی دوائی بیچتا ہو اور اپنے سر پر ایک بال نہ ہو۔ پس اپنے اُن بالوں کی نہیں، اپنے بال بچوں کی حفاظت کا انتظام کرو ورنہ غیروں کے بال بچوں کا کیا خیال کرو گے یہ بہت ہی اہم بات ہے۔ اس کو سمجھ لو اور پلے باندھو۔

اور بیویوں کو بھی تو چاہئے کہ وہ سکینت بنیں۔ بعض بیویوں میں یہ عادت ہوتی ہے کہ اپنے میاں کے لئے تیار نہیں ہوتیں۔ غیروں کے لئے ہوتی ہیں۔ بد نہیں ہوتیں، نیتیں خراب نہیں ہوتیں لیکن ہمارے معاشرے کا یہ قصور ہے اور کچھ عورت کی فطرت کے اندر یہ بات داخل ہے کہ بن سج کر اپنی طرف کھینچے۔ اس رجحان کو نظم وضبط کے اندر رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ نے پردے کی تعلیم دی ہے اور یہ رجحان عورت میں مرد کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اس لئے دیکھا گیا ہے کہ جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلتی ہیں تو تیار ہونے میں بہت وقت لیتی ہیں۔ خاوند بیٹھا انتظار کر رہا ہے کہ چلو دیر ہو رہی ہے۔ دکانیں بند ہو جائیں گی یا سورج سر پر چڑھ آیا ہے چلو باہر نکلیں لیکن وہ کہتی ہیں کہ میں ذرا تیار ہو جاؤں اور گھر آتے ہی ساری تیاری ختم۔ جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ یہاں زینت دکھاؤ، وہاں کوئی زینت دکھانے کی طرف توجہ نہیں، نہ بنانے کی توجہ ہے۔ جن کے متعلق فرماتا ہے کہ یہاں زینت چھپاؤ وہاں زینت دکھانے کے لئے چل پڑتی ہیں، تو عورتوں نے خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رکھی ہے۔ اپنی زینتوں کو اپنے خاوندوں کے لئے، اپنے عزیزوں کے لئے بنائیں۔ زینت سے مراد صرف ایسی زینت نہیں ہے جو خیالات کو کسی خاص سمت میں موڑے۔ زینت سے مراد ہر وہ زینت ہے جو حُسن خلق کی زینت یا ایسی اداؤں کی زینت ہے مثلاً باتوں کی طرز، چلنے کی طرز، کپڑے پہننے، بننا سجنا، پاک صاف رہنا، یہ وہ زینتیں ہیں جن میں خدا تعالیٰ نے صرف خاوندوں کو شامل نہیں فرمایا بلکہ گھر کے بچوں کو اور تمام محرموں کو شامل فرما دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کا یکطرفہ ترجمہ نہ کرنا۔ عورت کو اپنے گھر میں، رہن سہن میں ایسا پیارا بن کر رہنا چاہئے اور ایسا صاف ستھرا پاکیزہ ماحول پیدا کرنا چاہئے کہ صرف خاوند کے لئے سکینت کا سامان نہ ہو بلکہ سب عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے وہ گھر جنت نشان بن جائے۔ وہ آئیں اور وہاں تسکین پائیں اور جنت کے

نمونے دیکھیں اور گھر معاشرے کا مرکز ہو نہ کہ بیرونی معاشرہ گھروں کا مرکز بن جائے۔

پس اس پہلو سے خواتین کو بھی توجہ کرنی چاہئے اور صاف ستھرا رہنا چاہئے ، پاکیزہ رہنا چاہئے ، گھر سے بدبو کو دور کرنا چاہئے۔ بعض بیچاری غریب عورتیں مجبور ہیں ، کپڑے بھی زیادہ نہیں ہوتے ، پھر پیاز کاٹے ، کھانا پکایا ، اس کی بو بدن میں رچ گئی ، کپڑوں میں رچ گئی لیکن جو نظیف طبیعت کی عورتیں ہیں۔ وہ پھر بھی صاف رہتی ہیں۔ پس یہ ہوسکتا ہے۔ غربت حائل نہیں ہوسکتی۔ بعض خواتین کو میں نے دیکھا ہے وہ پیاز کو پانی کے اندر رکھ کر کاٹتی ہیں ، باہر نہیں کاٹتیں کیونکہ اس سے ایک تو پیاز کے جو بخارات ہیں وہ آنکھوں کو تنگ نہیں کرتے اور آنسو نہیں گرتے ، آنکھوں میں سوزش نہیں پیدا ہوتی۔ دوسرے اس کی بدبو جسم پر نہیں پھیلتی۔ پانی کے اندر ہی رہ جاتی ہے تو اگر ایک انسان سلیقے کے ساتھ رہنا چاہے تو غربت میں بھی رہ سکتا ہے۔ ایک غریب خاندان کے متعلق مجھے ذاتی طور پر علم ہے ، بہت پرانی بات ہے۔ جب مجھے علم ہوا اور میں نے پوچھ کر دیکھا تو واقعۃً یہ بات درست نکلی ہے کہ ان بچوں کے ماں باپ نے یہ دستور بنایا تھا کہ روزانہ اپنے کپڑے دھو کر ڈالتے تھے اور بچوں کو بھی یہ سکھایا تھا کہ جب واپس آؤ تو دھلا ہوا کپڑا جو ماں نے تیار رکھا ہوتا تھا۔ وہ پہنو اور سکول کا کپڑا دھوؤ۔ اب یہ ہوسکتا ہے کہ بعضوں کے لئے تکلیف مالا یطاق ہو لیکن نمونہ ضرور ہے کہ غربت میں بھی انسان صاف رہ سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے حوالے سے ساری باتیں چل رہی ہیں۔ آپ کی طرز بود و باش نہایت غریبانہ تھی اور کپڑے خود سیتے تھے ، پیوند لگا لیا کرتے تھے مگر پاکیزہ بدن ، پاکیزہ لباس صاف ستھرا خوشبو سے معطّر ، یہ زینت ہے۔ زینت کا یہ مطلب نہیں کہ فیشن کرو اور مہنگے مہنگے کپڑے خریدو اور گوٹہ کناری لگاؤ جو زینت محمد رسول اللہ کی زینت ہے وہی زینت ہے اور جو عورتیں صاف بدن پاک بدن ہوں اور اچھے کپڑے ان معنوں میں پہنیں کہ صاف ستھرے نظیف ہوں اور خوشبو لگائی ہو تو وہ لازماً سکینت کا سامان بنیں گے۔ پس یہاں امیر اور غریب کی بحث نہیں ہے۔ ہر شخص جو حضرت رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہوتا ہے وہ آپ ﷺ کی زینت اخذ کر سکتا ہے۔ یہ اصول ہے اسے اچھی طرح یاد رکھیں۔ یہ ناممکن ہے کہ حضرت محمد رسول اللہؐ امیروں کے تو رسول ﷺ ہوں اور غریبوں کے نہ ہوں۔ یہ وہ رسول ﷺ ہے جو ہر تفریق مٹا دیتا ہے ، مشرق کا بھی ہے ، مغرب کا بھی ہے ، مختلف

ملکوں کے بدلتے ہوئے فیشن آپ ﷺ کے طرزِ زندگی سے مختلف نہیں ہو سکتے۔ یعنی ہر قوم اگر چاہے تو آپ ﷺ کا فیشن اختیار کر سکتی ہے اور وہ فیشن بنیادی طور پر پاکیزگی ہے، نظافت ہے اور یہ ہر کسی کے بس میں ہے۔ اس لئے عورتوں کو چاہئے کہ گھر سلیقے سے رکھیں اور گھر کا ماحول صاف ستھرا رکھیں۔ بعض گھروں میں جاتے ہیں تو دھکا لگتا ہے۔ صوفہ سیٹ پر ڈھلے ہوئے پوتڑے پڑے ہوئے ہیں۔ کہیں تولیئے، کہیں شلواریں لٹکی ہوئی ہیں۔ اس گھر کو دیکھ کر گھبراہٹ شروع ہو جاتی ہے جبکہ بعض غریبانہ گھروں میں جائیں تو ایسا صاف پاکیزہ ماحول، ہر چیز سلیقے سے رکھی ہوئی۔ اس لئے عورت کا کام ہے کہ وہ خود بھی کشش کا مرکز بنے اور ایسی کشش کا مرکز بنے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ تمام محرم لوگ اس سے لطف حاصل کریں۔ پاکیزگی حاصل کریں اور اس ماحول میں بار بار آنے کی تمنا دل میں پیدا ہو، یہ زینت ہے تو اللہ کرے کہ ہماری عورتوں کو صرف مردوں کے خلاف باتیں کہلوانے کا شوق نہ ہو۔ کچھ اپنے متعلق بھی سن لیا کریں اور اس نصیحت پر بھی عمل کیا کریں۔

ایک دوست نے لکھا ہے کہ ٹیلی ویژن اور وی سی آر کی وجہ سے ہمارا معاشرہ بہت گندا ہو رہا ہے اور دس روپے دے دو تو چار گھنٹوں کے لئے گندی سے گندی فلم حاصل ہو جاتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ انہوں نے کب لکھا تھا مگر یہ نوٹ کچھ دیر سے میرے پاس پڑا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے خطبہ دیا تھا اور خطبہ میں نصیحت کی تھی۔ جہاں تک اہلِ ربوہ کا تعلق ہے مجھے پتا ہے کہ فوری طور پر سب نے لبیک کہا اور عجیب اتفاق ہے کہ ادھر میں نے خطبہ دیا ہے اُدھر خطبہ سے چند دن تک، پہلے ہی کئے ہوئے ان لوگوں کے فیصلے کی اطلاع مجھ تک پہنچی کہ ہم اب ان چیزوں سے پرہیز کریں گے اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں گے اور ایسی کیسٹس اور وڈیوز وغیرہ کو رواج دیں گے جو اسلامی معاشرے کی تقویت کا موجب بنیں، نہ کہ اس کو نقصان پہنچانے کا موجب ہوں۔

مختلف قسم کی دلچسپ فلمیں موجود ہوتی ہیں۔ حاصل کی جاسکتی ہیں اور ان گندی فلموں کے مقابل پر بہت ہی زیادہ لذت پیدا کرنے والی اور تسکین بخش فلمیں ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ نیچر پر جو فلمیں ہیں، مختلف جانور کس طرح رہتے ہیں، کس طرح ان کا بود و باش ہے۔ ان کی ادائیں کیا ہیں۔ ان کا کھانا کیا ہے۔ کس ملک اور کس موسم کے کیسے کیسے جانور آپس میں ایک دوسرے سے تعلقات رکھتے ہیں، ان کی کیا کیا نشانیاں ہیں، کیا چیزیں ہیں جو ان کے رستے معین کرتی ہیں؟ کہیں کوئی جانور

ہے جو اپنی بو چھوڑتا چلا جارہا ہے اس لئے کہ اس بو سے اس کے ساتھی دوسرے جانور پہچان لیں کہ یہاں سے وہ گزرا ہے یا واپس اپنے مسکن کی طرف لوٹ سکے اور دوسرے بھی متنبہ ہوں کہ یہ رستہ اس نے بنا رکھا ہے۔ جانوروں کے تعلقات کے باریک در باریک قوانین ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنا رکھے ہیں اور جنگل یوں ہی نہیں بسا ہوا۔ اس میں ایک نظام کارفرما ہے۔ ایک خاموش ہاتھ ہے جو جنگل کے نظام کو مرتب کر رہا ہے اور منظّم کر رہا ہے۔ اس کے تقاضے پورے کر رہا ہے اور اس خاموش زبان کو سمجھنے کے لئے سائنس دانوں نے کوشش کی ہے جس زبان میں جنگل کے ان جانوروں کو رہنے کے سلیقے سکھائے جارہے ہیں اور اس پر بہت ہی اچھی فلمیں بنائی ہوئی ہیں۔ پھر سمندر کے جانوروں کی فلمیں ہیں یعنی ہوا، خشکی، سمندر۔ سمندر کی تہہ تک اتر کر سائنس دانوں نے دیکھا ہے تو جن قوموں نے ایسی اچھی چیزیں ایجاد کی ہیں اس کے دونوں قسم کے مصرف بھی کئے ہیں اور ان کے نتیجہ میں اچھا بُرا ہر قسم کا تفریح کا سامان مہیا ہے۔ تو ہمارے ربوہ والے ہوں یا دوسرے ویڈیو کا کاروبار کرنے والے ہوں یا ویڈیو کی خواہش رکھنے والے احمدی خاندان ہوں جن کو توفیق ہے اور انہوں نے گھروں میں ویڈیو رکھی ہوا نہیں چاہئے کہ وہ ایسی چیزیں طلب کریں۔ میں نے ایک دفعہ کچھ نمونے ربوہ بھجوائے تھے اور پھر یہ سلسلہ منقطع ہوا لیکن میں نے اور بھی کیسٹیں تیار کر کے رکھی ہوئی ہیں وہ بھی انشاء اللہ موقع ملا تو بھجیں گے لیکن اس میں مشکل صرف یہ ہوتی ہے کہ ایک کیسٹ سے دوسری کیسٹ میں منتقل کرنے کے لئے باقاعدہ اجازت چاہئے ورنہ ان کے کاپی رائٹس محفوظ ہوتے ہیں۔ اس لئے سنٹرز تو مختلف جگہ کھولے جاسکتے ہیں وہاں سے ان کی لینڈنگ (Lending) لائبریریز بنائی جاسکتی ہیں لیکن عموماً کاپی کر کے بار بار وہاں بھجوانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ خطرہ سے خالی ہمارے لحاظ سے خصوصیت ہے کیونکہ باہر تو لوگ عام طور پر کرتے رہتے ہیں اور پرواہ ہی نہیں کرتے لیکن ہمارے لئے بعض تقاضے ایسے ہیں جو اہمیت رکھتے ہیں، مجبوریاں ہیں۔ پس میں سمجھتا ہوں اگر مختلف بڑی بڑی جماعتیں جہاں عموماً ایسے مسائل ہیں وہ یہاں لکھ کر یا کہیں اپنے طور پر اپنے دوستوں سے کہہ کر جو یورپ امریکہ وغیرہ میں بستے ہیں ایسی ویڈیوز حاصل کریں اور ممکن ہو تو ان کا ترجمہ ساتھ ڈب کر دیں جو ممکن ہے اور کوئی مشکل نہیں ہے اور اردو میں یا پنجابی میں یہ کر کے پھر اضلاع Lending لائبریریاں بنالیں۔ بعض ویڈیو گھوم رہی ہوں۔ ایک گاؤں میں پہنچیں۔ دوسرے گاؤں میں، تیسرے

گاؤں میں چند دن ٹھہریں اور یہ اتنی زیادہ ہیں کہ تسلسل اس عرصہ میں ٹوٹے گا نہیں اور بھوک قائم رہے گی۔ اس لئے اگر وہ اس قسم کی ۵۰، ۱۰۰ فلمیں منگوا لیں تو انشاء اللہ جب تک وہ گھوم کر واپس آئیں گی دوسرا نمبر جانا شروع ہو جائے گا اور اس طرح شوق کا جو تسلسل ہے وہ نہیں ٹوٹے گا۔

ہمارے دیہات وغیرہ میں ان کا دیکھنا خاص طور پر بڑا ضروری ہے کیونکہ دیہاتی لوگوں کو خصوصیت سے یہ شوق ہوتا ہے کہ ایک چیز شروع کر دیں تو بس چل سو چل اور جہاں وہ ٹوٹ گئی وہاں بات ختم، شوق بھی اتر گئے۔ یہ مزاج کا فرق ہے صرف پاکستان کا نہیں باقی دنیا کے دیہات میں بھی غالباً یہی ہوگا۔ مجھے یاد ہے چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ غالباً میر حامد شاہ صاحب کا ذکر کرتے تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی تھے لیکن ایک بزرگ صحابی کا ذکر کرتے تھے جو سیالکوٹ کے تھے اور ان کی عادت تھی کہ وہ دن میں ایک دفعہ خوب سیر ہو کر کھاتے تھے اور پانی اس طرح پیتے تھے کہ بیچ میں ذرا بھی انقطاع برداشت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ چوہدری صاحبؓ بتایا کرتے تھے کہ ماشکی کو حکم تھا کہ میں کٹورے سے منہ لگا کر پیتا ہوں تم پانی ڈالتے چلے جاؤ اور کہا کرتے تھے کہ ''ڈِیک'' نہ ٹوٹے یعنی یہ جو مسلسل پانی اندر جا رہا ہے یہ ٹوٹے نہ ورنہ میری پیاس کا مزا ختم ہو جائے گا۔ پھر پینے کو دل ہی نہیں چاہے گا یہ جو بات ہے یہ ویسے سنت کے مطابق نہیں ہے۔ یہ میں آپ کو بتا دوں۔ آپ یہ نہ سمجھنا کہ اسی طرح ہی ہونی چاہئے۔ آنحضرت ﷺ کی سنت یہ تھی کہ پانی ٹھہر ٹھہر کر پیتے تھے۔ ڈیک توڑ توڑ کر پیتے تھے مگر میں بتا رہا ہوں کہ ہمارے معاشرے میں یہ بعض عادتیں ہیں اور وہ ابھی تک جاری ہیں تو ان کی ویڈیو کیسٹس کی ڈیک نہ ٹوٹنے دیں کیونکہ جہاں ٹوٹ گئی وہاں سلسلہ ہی ٹوٹ جائے گا۔ کبھی مجھے ڈر ہوا تھا کہ میں باہر چلا گیا اور ایک دفعہ خطبہ کا تسلسل منقطع ہو گیا تو لوگوں نے آنا ہی پھر بند کر دینا ہے۔ اس لئے قومی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض اقدامات اختیار کرنے ضروری ہوتے ہیں۔ یہ اگر آپ جاری رکھیں گے اور ڈیک نہیں ٹوٹنے دیں گے تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دوسری فلموں کے لئے جگہ ہی نہیں رہے گی۔ باتوں کا ماحول بدل جائے گا۔ جو انسانی ذوق ہیں ان کی اصلاح ہوگی اور ذوق ترقی کریں گے اور دوسری جو گھٹیا اور گندی فلمیں ہیں ان کی کوئی حقیقت سامنے نہیں رہے گی، بے معنٰی سی ہو جائیں گی تو ترتیب میں ایسے حکیمانہ انتظام ہونے چاہئیں کہ جہاں محض زور کی نصیحت اور سزا کے ڈنڈے کام نہ کر رہے ہوں بلکہ دل کی تمنائیں

آپ کی نصیحت کے مطابق اسی ہوا پر چل پڑیں۔پس اچھی چیزیں دیں۔

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَۃَ ؕ (المومنون:۹۷) کا مضمون ہے جو ہمیشہ ہمارے لئے راہنما رہنا چاہئے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ برائی کو روکنا ہے تو اچھائی کے ذریعہ روکو۔ اچھی چیز دو اور پھر بُرائی روکو۔خالی حکم چلاتے رہو کہ فلاں چیز چھوڑ دو۔فلاں چیز چھوڑ دو تو کوئی نہیں مانے گا۔ ہر بُری چیز کے بدلے ایک اچھی چیز بناؤ۔ ہر بُری عادت کے بدلے ایک اچھی عادت کا منصوبہ تیار کرو اور وہ اچھی عادت دے کر کہو کہ اب اس کو چھوڑ دو۔کوئی برا کھانا کھا رہا ہو اور آپ کہیں کہ چھوڑو پرے یہ برا کھانا ہے تو کون چھوڑے گا۔ ہاں اچھا کھانا ساتھ رکھ دیں گے اور کہیں گے کہ اب یہ برا کھانا چھوڑو تو وہ شوق سے چھوڑے گا۔

دوسری بات جو مجھے انہوں نے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ عام طور پر ادب اٹھ رہا ہے۔نئی نسلوں میں اپنی قدروں سے بھی ایک قسم کی بے اعتنائی سی پیدا ہو رہی ہے اور یہ ایک عمومی بیماری ہے جو پھیلتی ہوئی اور بڑھتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔مثال انہوں نے اس کی یہ دی ہے کہ مسجد میں ننگے سر جانا ایک عام رواج بن رہا ہے۔اس سلسلہ میں یہاں تو میں نے بار بار توجہ دلائی ہے اور اللہ کے فضل سے انگلستان کی جو نئی نسلیں ہیں ان میں بہت نمایاں فرق پڑا ہے۔ پہلے ننگے سر مساجد میں جانے کی جو عادت تھی اب وہ خدا کے فضل سے بہت کم رہ گئی ہے۔ بہت معمولی رہ گئی ہے اور بالعموم آپ کو سب ٹوپیاں پہنے ہوئے نظر آئیں گے لیکن مجھے پتا لگا ہے کہ ربوہ کی مساجد میں بھی ،مسجد مبارک میں بھی کئی لوگ جو اسی طرح جاتے ہیں اور ان کو نصیحت کرو تو کہتے ہیں کہ کیا ضرورت ہے کوئی بات نہیں اور بعض لوگ تو صرف اس لئے کہ بالوں کی مانگ نہ خراب ہو جائے۔انہوں نے جہاں جہاں جس طریقے سے چیر نکالے ہوئے ہیں وہ وہیں قائم رہیں۔ایسی بیہودہ عادت ہے۔ یہاں صرف ٹوپی کا مسئلہ نہیں ہے کہ ٹوپی کس حد تک ضروری ہے۔ یہ ایک اندرونی مرض ہے جس کا اظہار ہوا ہے۔ اس بات کو نوجوان لوگ سمجھتے نہیں اور ان بحثوں میں پڑ جاتے ہیں کہ سو فیصدی ثابت کرو کہ ٹوپی نہیں پہنیں گے تو کتنا گناہ ہوگا اور کہاں لکھا ہوا ہے کہ اتنا گناہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ بے وقوفی کی باتیں ہیں۔

قرآن کریم نے جہاں معروف کا حکم دیا ہے اس معروف کے تابع یہ ساری باتیں آجاتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے عورتیں جب بیعت کرتی تھیں تو اُن سے معروف کا لفظ کہلوایا جاتا تھا کہ ہم معروف

میں آپ کی اطاعت کریں گی تو قرآن کریم نے اصول پیش فرما دیئے ہیں اور وقت کے امام کا کام ہے کہ وہ نظر رکھے اور جہاں جہاں کچھ برائیاں ایسی پیدا ہو رہی ہوں جو بظاہر دیکھنے میں اتنی اہم نہ ہوں لیکن ان کی جڑیں گہری ہوں اور بعض گہرے رجحانات پر اثر انداز ہونے لگ جائیں۔ رجحانات کو گندا کر رہی ہوں۔ ان پر نظر رکھے اور اُن کو روکے۔ وہاں کوئی یہ کہے کہ بتاؤ۔ قرآن کریم میں کہاں واضح الفاظ میں لکھا ہوا ہے۔ کہاں حدیث میں لکھا ہوا ہے۔ لکھا تو ہوا ہے مگر تمہیں دکھائی نہیں دے رہا۔ وہ معروف کا لفظ ہے جو آج بھی ہماری بیعت میں داخل ہے کہ معروف میں میں اطاعت کروں گا یا معروف میں میں اطاعت کروں گی تو یہ جو ٹوپی سر سے اترتی ہے اگر اتفاقاً اتر جائے تو اور بات ہے۔ پہلے اندر کے انسان کے تقویٰ کی ٹوپی اترتی ہے۔ پہلے اس کا رجحان معاشرے کی طرف بدلتا ہے۔ اپنی قدروں کی ناقدری کا احساس پہلے اٹھتا ہے پھر وہ ٹوپی اندر کی گندی ہواؤں سے اڑ جاتی ہے اور سر پر رکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ وہ شرم پہلے صرف گلیوں میں آتی ہے۔ پھر مسجد میں بھی آ جاتی ہے اور وہ عادت بن جاتی ہے۔ باہر اس لئے ٹوپی پہن کر نہیں جاتے کہ ان کو خیال ہے کہ اگر ٹوپی پہنی ہو تو لوگ کہیں گے کہ یہ مولوی مزاج کا کوئی آدمی ہے اور جو جو حرکتیں ہم نے کرنی ہیں، یا جو اپنا مزاج بنا کر ہم پھرنا چاہتے ہیں اس مزاج کے خلاف ہے۔ ہم لوگوں سے نتھر کر الگ ہو جائیں گے کہ یہ ٹوپی والا ہے اور واقعۃً ٹوپی بڑی حفاظت کرتی ہے۔

ٹوپی سے انسان بہت سی بدیوں سے اس وجہ سے بچتا ہے کہ لوگ آپ سے ان بدیوں کی توقع نہیں کرتے۔ ٹوپی آپ کے مزاج کی تشخیص کر دیتی ہے اور تعیین کر دیتی ہے لیکن جہاں تک مسجد میں ٹوپی کا تعلق ہے اس کا تو ادب سے گہرا تعلق ہے۔ میں ایسے نوجوان جانتا ہوں کہ جب ان کو کہا جاتا تھا کہ ٹوپی پہنو تو کہتے تھے، ثابت کرو کہاں حکم ہے۔ کوئی ضروری نہیں ہے اور اپنے والد کے سامنے بغیر ٹوپی کے جاتے ہوئے ان کی جان نکلتی تھی۔ وہاں جرأت نہیں ہوتی تھی کہ دندناتے ننگے سر چلے جائیں اور جب مسجد میں روکتے تھے تو کہتے تھے کہ کوئی ضرورت نہیں۔ یعنی خدا سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں باپ سے ڈرنا ضروری ہے اور باپ بھی وہ جو جلال والا باپ ہو۔ یہ نہایت بیہودہ حرکتیں ہیں۔ یہ بیہودہ بحثیں ہیں۔ اگر تم ٹوپی اتار کر اس طرح دندناتے پھرو گے تو زبردستی تو تم پر کوئی نہیں ہو سکے گی، نہ امور عامہ کو اختیار، نہ خدام کو، نہ انصار کو، جماعت کا کوئی نظام تمہیں سزا نہیں دے گا مگر تم اپنے آپ کو جو سزا دے رہے ہو۔ تم نے جو بے ادبی کی راہ اختیار کر لی، وہ تمہیں سب برکتوں سے

محروم کردے گی۔ خدا کے حضور جھکنے کے لئے جس قسم کی عاجزانہ روح کی ضرورت ہے وہ روح باہر چھوڑ کر جا رہے ہو اور مسجد میں زینت لے کر نہیں جا رہے حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف:۳۲) اے لوگو مسجد میں زینت لے کر جایا کرو مسجد کی سب سے بڑی زینت تقویٰ ہے۔ ادب ہے، حیاء ہے اور ٹوپی کا سر سے اترنا اس زینت کے بالکل برخلاف اور مخالفانہ بات ہے۔ پس ان تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے اور ہماری فطرت میں جو بات داخل ہے اس کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

مغرب میں بعض دفعہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ ٹوپی پہننا کیوں ضروری ہے۔ ہم تو بڑوں کا ادب کرنے کی خاطر ٹوپی اتار دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ واقعہ درست ہے۔ یہاں رواج ہے۔ جج کے سامنے جائیں تو جج ٹوپی پہنتا ہے اور جو حاضر ہونے والے ہیں ان کو ٹوپی اتارنی پڑتی ہے۔ انگریزی محاورہ ہے Hats off to you تمہارے ادب میں ہم ہیٹ اتارتے ہیں۔ لیکن ٹوپی وقار کا نشان ضرور سمجھتے ہیں۔ جج کو اجازت ہے ٹوپی پہننے کی بلکہ لازم ہے کہ پہن کر آئے جس کا مطلب ہے کہ اس کو ادب اور وقار کا مقام ملا ہے تو کم سے کم یونہی سہی۔ تم یوں سمجھا کرو کہ خدا کے دربار میں ہمیں عزت دی گئی ہے۔ اللہ نے ہمیں وقار بخشا ہے۔ خدا نے وقار بخشا ہو اور تم اتار کر پھینک دو یہ بھی تو بے ادبی ہے۔ جج اگر ٹوپی اتار کر بیٹھے گا تو وہ قوم کی بے ادبی کر رہا ہے۔ اس روایت کی بے ادبی کر رہا ہے جس نے اس کو وہ خاص وقار اور عزت کا اور افتخار کا مقام عطا کیا ہے۔ پس مسجدوں میں ٹوپی پہن کر جانا سنت کے مطابق ہے۔ اس کا ایک اندرونی روحانی رجحان سے تعلق ہے اس لئے اس کو رواج دیں۔ بچوں کو چھوٹی چھوٹی ٹوپیاں بنا کر دیں۔ ضروری تو نہیں کہ مہنگی ٹوپیاں ہی ہوں۔ کپڑے کی ٹوپیاں ہی سہی مگر ادب کا ایک نشان ضرور ہیں۔

اللہ تعالیٰ جماعت کو ان چیزوں کی طرف بھی واپس لے کر آئے اور ان چیزوں پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اب چونکہ وقت ختم ہو گیا ہے اور نصیحت کی چھوٹی چھوٹی بہت سی باتیں باقی ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ جمعہ یا اس کے بعد اس سلسلہ کو پھر شروع کریں گے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ خدا حافظ۔